عطار ہو ،رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا ہے آہِ سحر گاھی !!

اِدارۂ اشرفیہ عزیزیہ کا ترجمان

ماھنامہ غزالی

ذوالحجہ ۱۴۲۷ھ / جنوری ۲۰۰۷ء

Reg No.P476

جلد: پنجم

شمارہ: 6

فہرست

فی شمارہ: 15/- روپے

سالانہ بدل اشتراک: 180/- روپے

ملنے کا پتہ: مکان نمبر۔P-۱۲ ، یونیورسٹی کیمپس، پشاور۔

ای۔میل:>>> mahanama_ghazali@yahoo.com

saqipak99@gmail.com

physiologist72@yahoo.com

حدیثِ نا گفتنی (دوسری قسط)

میری علمی و مطالعاتی زندگی

(حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی صاحبؒ)

عربی کتب کا مطالعہ:

میری علمی زندگی میں ۱۹۴۰ء و ۱۹۴۱ء خاص اہمیت کے سال ہیں۔ ۱۹۴۰ء میں بندہ نے اپنی عمر کے پندرھویں سال میں میٹرک پاس کیا۔ امتحان کے بعد حضرت الاستاذ [۱] مولانا نورالاعظم ابن منصور علی باجوڑی رحمۃ اللہ علیہ کی عنایت و توجہ سے (عربی میں) حدیث شریف کے باقاعدہ

---

[۱] حضرت الاستاذ مولانا قاضی نورالاعظم صدیقی باجوڑی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے قدیم مساجد کے طرز تعلیم کی ایک عمدہ یادگار تھے۔ حدیث شریف میں یدطولیٰ حاصل تھا۔ فقہ حنفی پر گہری اور وسیع نظر تھی۔ فقہی مسائل کا خصوصاً فقہ حنفی کا استحضار خوب تھا۔ تاہم فقہی مسلک میں وسیع المشرب تھے، متداول علوم عربیہ میں مہارت تھی۔ آپ کا سلسلۂ حدیث دو واسطوں (۱۔ حضرت مولانا عبد الرؤف صاحب در بھنگوی مدظلہ، ۲۔ مولانا شاہ رسول صاحب بالا گڑھوی سرحدی) سے قطب الارشاد حضرت مولانا شاہ عبدالرشید گنگوہی نوراللہ مرقدہ سے منسلک تھا۔ بیعت طریقت مجاہد کبیر حضرت حاجی فضل احمد صاحب ترنگزئی نوراللہ مرقدہ (المتوفی ۱۴ دسمبر ۱۹۳۷ء) سے تھی۔ (حاجی صاحب ترنگزئی قادریہ سلسلہ میں حضرت نجم الدین اخوند زادہ صاحبؒ معروف بہ اڈے ملا صاحبؒ سے بیعت تھے۔ حضرت حاجی صاحب کی تمام عمر انگریزوں سے جہاد میں گزری)

استاذ مرحوم کا نسب سیدنا ابوبکر صدیقؓ سے جا ملتا ہے۔ آپ کے آبا و اجداد اسلام کی ابتدائی صدیوں میں پہلے مشہد آئے پھر افغانستان منتقل ہوئے۔ ان بزرگوں کا مشغلہ دینی تعلیم و تعلم تھا۔ اس لیے مدتوں افغانستان میں قضا کا عہدہ ان کے خاندان میں رہا۔ آخرش بعض نامساعد حالات کے پیش نظر کنڑ سے ہوتے ہوئے حضرت الاستاذ کے مورث اعلیٰ آزاد قبائل کے علاقہ باجوڑ میں متوطن ہوگئے۔ اس علاقہ میں بھی قضا کا عہدہ انہیں کے خاندان میں رہا۔ استاذ مرحوم کے پردادا عثمان علی بڑے جید عالم تھے اور علاقہ میں ان کا بڑا اثر تھا۔ عثمان علی کے بیٹے حضرت علی بھی عالم تھے۔ ان کے بیٹے استاذ مرحوم کے والد گو عالم نہ تھے تاہم علم طب میں مہارت تھی۔ طبابت کا کام کرتے تھے۔ علاقہ انبار میں کچھ مدت فروکش رہے اور وہاں بمقام خوگہ ۱۹۰۰ء میں استاذ مرحوم کی پیدائش ہوئی۔ استاذ مرحوم کا بچپن انبار میں گذرا۔ پھر والد اپنے علاقہ باجوڑ (سلارزئی) چلے گئے۔ ابتدائی کتابیں اپنے علاقہ کے علماء سے پڑھیں۔ پھر صریح مروزئی (تحصیل چارسدہ) میں تحصیل علم کے لیے مقیم ہوئے اور صریح کے صاحب الحق صاحب سے فلسفہ اور منطق کا درس لیا۔ ۱۹۲۷ء میں پشاور آئے اور یہاں مختلف علماء سے فقہ اور دیگر متداول علوم حاصل کیے۔ پھر اہل حدیث پشاور کے مدرسہ میں داخل ہو کر حدیث وغیرہ سے باقاعدہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مطالعہ کی ابتدا ہوئی ہے اور اس ہیچمدان کی عربی ابجد خوانی کی داغ بیل پڑ گئی۔

برصغیر پاک و ہند میں مدارس کے اجراء وشیوع سے بیشتر مساجد میں علماء کے اپنے ''درس'' ہوتے تھے۔ استاذ مختلف طلباء کو فرداً فرداً اسباق پڑھاتا تھا اور جب ان کی ایک کتاب ختم ہو جاتی تو دوسری شروع کرا دیتا تھا۔ اس قدیم طرز سے پر ہمارے آبائی محلّہ (مقرب خان پشاور) کی مسجد میں

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ سے) فراغت حاصل کی اور پھر درس وتدریس میں آخر وقت تک مصروف رہے۔

حضرت الاستاذ زہد وورع اور تقویٰ کا نمونہ تھے۔ تقویٰ کا اندازہ اس سے کیجئے کہ بندہ فجر کے بعد اور پھر مغرب کے بعد حضرت سے حدیث کا درس پڑھتا تھا، کمرہ میں روشنی کی ضرورت پڑتی تھی، بجلی موجود تھی لیکن فرماتے تھے کہ واقف (وقف کرنے والے) کی نیت کے مطابق نماز کے دوران میں بجلی کے استعمال کی اجازت ہے، اس لیے ہم اپنے لیے نہیں جلا سکتے۔ چنانچہ بندہ کو چراغ کی روشنی میں اکثر کتابیں پڑھائیں۔ طلبہ کو لوجہ اللہ پڑھاتے تھے۔ بندہ تقریباً بارہ سال ان سے پڑھتا رہا لیکن بندہ سے کبھی ایک حبہ تک قبول نہیں فرمایا۔ طبیعت عزلت نشینی کی طرف مائل اور نام ونمود اور شہرت سے نفور تھی۔ صلہ رحمی اور اقربا پروری کا جذبہ غالب تھا۔ شفقت ورأفت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ تلامذہ کے ساتھ پدرانہ محبت سے پیش آتے تھے، عمر بھر تجرد کی زندگی گزار دی۔ آپ کے مختلف کتابوں کے اسباق مختلف طلبہ کے ساتھ فجر کی اذان سے شروع ہوتے اور عشاء کے بعد تک جاری رہتے تھے، درمیان میں وقفہ صرف حوائج بشری اور عصر کے بعد گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ ہوتا تھا۔ معاشی ضرورتوں کے لیے طب کا پیشہ اختیار کیا تھا، جو مریض آجاتا اسے نسخہ لکھ دیتے، اللہ تعالیٰ نے ہاتھ میں شفا دی تھی چاہتے تو بہت کچھ کما لیتے لیکن اس میں بھی رزقِ کفاف پر قناعت کی تھی۔ تقریباً ساٹھ سال کی عمر میں حج کے موقع پر عرفات سے مزدلفہ کی واپسی پر اچانک طبیعت بگڑی اور ۱۰ ذی الحجہ ۱۳۸۰ھ کو جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی اور وہیں مدفون ہوئے۔

۲؎ احادیث کی امہات الکتب کا نرا ترجمہ محض اردو میں پڑھ لینا متعدد قباحتوں کا مورث وسبب بن سکتا ہے۔ فقیر کے نزدیک چکڑالویت و پرویزیت کے برگ و بار نرا اردو میں احادیث کے پڑھنے سے پیدا ہو جاتے ہیں، خصوصاً جبکہ استاد کی رہنمائی یا کسی اچھے محشی وشارح کے حواشی بھی نہ ہوں۔ علوم عربیہ فنون تفسیر وحدیث وفقہ سے ناواقفیت حدیث کے منشاء اور صحیح مطلب کے سمجھنے میں رکاوٹ پیدا کر دیتی ہے اور آخرش انکارِ حدیث کی راہ کھل جاتی ہے۔ تاہم جو کتب محقق علماء نے عصر حاضر کے تقاضوں کو سامنے رکھ کر لکھی ہیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔

۳؎ اس طرز تعلیم کا بڑا فائدہ یہ تھا کہ ہر طالبعلم فرداً فرداً استاذ کی پوری توجہ سے مستفید ہو سکتا تھا اور استاذ شاگرد کی صلاحیتوں کا اندازہ لگا کر اس کی استعداد کے بقدر اسے اپنے علوم سے بہرہ مند کرتا تھا۔ دوسرا بڑا فائدہ یہ تھا کہ ہر طالبعلم استاذ کی نگرانی میں پوری کتاب پڑھتا تھا، اس لیے ہر طالبعلم تیار ہو کر جاتا تھا اور سبق کے دوران میں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت الاستاذ مرحوم کے درسوں کا سلسلہ قائم تھا۔ مختلف طلبہ کے اسباق ترجمۃ القرآن ؎ سے لیکر جلالین و بیضاوی تک منیۃ المصلّی سے ہدایہ تک، مشکوٰۃ سے لیکر صحیح بخاری تک بشرطِ گنجائشِ وقت جاری رہتے تھے۔

حضرت الاستاذ رحمہ اللہ تعالیٰ سے ہیچمدان نے حرفاً حرفاً مشکوٰۃ شریف، صحیح بخاری، صحیح مسلم سنن ابی داؤد، جامع ترمذی ونسائی پڑھی، اور ابن ماجہ اور دیگر کتب کا ان کی نگرانی میں خود مطالعہ کیا۔ صحیح بخاری کا حاشیۂ سہارنپوری (حضرت مولانا احمد علی محدّث سہارنپوریؒ) بھی استاذ مرحوم نے سبقاً پڑھایا۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ شروحِ حدیث سے ایک گونہ مناسبت ہوگئی۔

اہل نظر جانتے ہیں کہ حضرت مولانا احمد علی سہارنپوریؒ کا حاشیہ صحیح بخاری کی مختصر شروح میں خاصہ کی چیز ہے۔ فقیر کی محسن کتابوں میں اس حاشیہ کو ایک اونچا مقام حاصل ہے۔ محدث سہارنپوری نے مطول شروح کا عطر کھینچ لیا ہے۔ ایک مبتدی طالبعلم کو مختصر وموجز شروح وحواشی بخاری میں اس سے بہتر رہنما کم ہی ملے گا۔ صحیح بخاری کی مطول شروح میں جیسے فتح الباری وسعت، دقیقہ سنجی اور علوم کی فراوانی میں اور عمدۃ القاری عمق اور حنفی نقطۂ نظر کی ترجمانی میں بے مثل ہیں، اس طرح یہ مختصر حاشیہ ایجاز احتوا میں اپنی نظیر آپ ہے۔ متوسط شروح میں قسطلانی (ارشاد الساری) خوب ہے۔ جدید

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ سے) پورے تیقظ ودھیان سے استاذ کی تقریر سنتا، سمجھتا اور اسے ہضم کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ اچھے اساتذہ اپنے تلامذہ کی جانچ وامتحان کے ساتھ ان کی صلاحیتوں کو اجاگر اور بارآور کرنے کی پوری کوشش کرتے تھے۔ اس درس میں استاذ کا تعلق محض تعلیم وتدریس کا نہیں ہوتا تھا بلکہ استاذ ایک شفیق مربّی واتالیق بھی ہوتا تھا۔

؎ حضرت الاستاذ کے ہاں فقہ میں (اصول فقہ کی کتابوں کے علاوہ) ترتیب یہ تھی، منیۃ المصلی، قدوری، کنز، مستخلص، شرح وقایہ، ہدایہ...... ہدایہ کے اسباق کی تیاری میں استاذ مرحوم کے اپنے مطالعہ میں مولانا عبدالحی فرنگی محلی کے حواشی کے علاوہ فتح القدیر وکفایہ وغیرہ رہتی تھی۔ سبق میں حنفی مسلک کو احادیث سے خوب مدلل کرتے تھے۔ حدیث شریف میں ترتیب یہ تھی، مشکوٰۃ، صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابوداؤد، جامع ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، مؤطا امام مالک، مؤطا امام محمد۔ ان کے اپنے مطالعہ میں حواشی کے علاوہ بعض متداول شروح ہوتی تھیں۔ فارسی کا نصاب یہ تھا، پنج گنج، بوستان، گلستان، انوار سہیلی، یوسف زلیخا، سکندرنامہ (بعض اوقات دیوان حافظ بھی پڑھادیتے تھے)۔

شروح بخاری میں فیض الباری علامہ سید انور شاہ کشمیریؒ کے علوم عمیقہ طرز انیقہ معارف متبکرہ کا خزینہ اوران کی وسعت فکر ونظر کی ترجمان اور گونا گوں خصائص ومزایا کی حامل ہے (کاش معارف انوریہ کا یہ خزینہ کلک یوسفی ؎۱ سے مزید گرانبار ہو پاتا)

شیخ الحدیث مسند الوقت حضرت مولانا محمد زکریا سہارنپوری مدظلہٗ کی جدید تصنیف لامع الداری علی جامع البخاری خصوصاً اس کا مقدمہ حضرت شیخ کے تبحر وتدقیق، مہارت فن وتحقیق کا شاہکار ہے۔ ایسے تو تمام مباحث ہی قابل دید اور حرز جاں بنانے کے لائق ہیں لیکن اصول تراجم بخاری کو جس شرح وبسط سے کھولا ہے، تراجم بخاری پر جس دقیقہ رسی اور نکتہ سنجی سے کلام فرمایا ہے اور تراجم کے مغلق ابواب کی جو ستر مفاتیح مہیا فرمادی ہیں وہ حضرت شیخ ہی کا حصّہ ہے۔ ؎۲

صحیح بخاری:

حضرت الاستاذؒ کا فیض وبرکت، امام بخاری کا اخلاص، الجامع الصحیح کی نورانیت، ندرت و البیلا پن تھا کہ بحمد اللہ اصح الکتاب بعد کتاب اللہ دل ودماغ پر چھا گئی اور ایک عرصہ تک اس کی تلاوت قرآن کریم کی طرح روزانہ کرتا رہا۔ کتب حدیث میں سب سے زیادہ تأثر اس عظیم کتاب کا

؎۱ حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری مدظلہٗ۔

؎۲ علامہ ابن خلدون نے مقدمہ تاریخ میں اپنے بعض شیوخ سے نقل کیا ہے کہ بخاری کی شرح کا قرض امت پر ہے (کہ اس وقفۂ وقت تک علماءِ امت میں سے کسی نے بھی بخاری کی شایانِ شان شرح نہیں لکھی تھی) حافظ ابن حجر کے شاگرد حافظ شمس الدّین سخاوی نے الضوء الامع میں لکھا ہے کہ یہ قرض علامہ ابن حجر نے فتح الباری لکھ کر پورا کر دیا ہے۔ حضرت الاستاذ علامہ یوسف البنوری نے تحفۃ العنبر صفحہ ۱۰۴ میں لکھا ہے کہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب کا قول مجھ تک پہنچا ہے کہ حافظ ابن حجر سے تراجم صحیح بخاری کا حق پورا نہ ہو سکا۔ حضرت علامہ بنوریؒ فرماتے ہیں کہ ''شیخ الہندؒ نے جو صحیح بخاری کے ابواب کی شرح لکھنی شروع فرمائی تھی، مکمل ہو جاتی تو انشاء اللہ التراجم کا حق بھی ادا ہو جاتا لیکن افسوس وہ کام مکمل نہ کر سکے تاہم جو حصہ انھوں نے تالیف فرمایا اور شائع ہوا وہ مستفیدین کے لیے چراغ ومعیار ہے۔'' ہیچمدان اپنی کم مائیگی کا مقر ہے، تاہم خیال آتا ہے کہ حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ کے مقدمہ لامع الداری سے شاید یہ قرض ادا ہو گیا۔ (واللہ اعلم)

رہا۔ بخاری شریف صرف صحیح روایات حدیث کا ہی گنجینہ نہیں بلکہ بخاری کے وفورِ علمی، ذہانت وفقاہت نے اسے خزینہ علوم بنادیا ہے۔ اگر کسی طالبعلم پر بخاری شریف اپنے مالہٗ وماعلیہ کے ساتھ کھل جائے تو یقیناً علوم حدیث کا دروازہ اس پر وا ہوجاتا ہے۔ ایسے بھی ''صحاح'' میں اصل محنت ایک کتاب پر ہی ہوتی ہے، وہی ''متن'' بن کر باقی کتب کو اپنا حاشیہ وشرح بنالیتی ہے۔ احاطہ احادیث اثر پذیری اور دیگر فوائد مہمہ کے لیے کتب صحاح ودوسری کتب احادیث واسفارفن کا مطالعہ ناگزیر ہے۔ تاہم اگر طالبعلم ایک کتاب پر پوری محنت کرلے تو دیگر کتب احادیث سے استفادہ آسان وممکن ہوجاتا ہے۔ اور دیگر علوم میں بھی امہات کتب کا یہ حال ہے کہ ایک میں مہارت دوسری کتابوں کی اکثر گرہ کشا ہو جاتی ہے۔ حضرت الاستاذؒ فرماتے تھے کہ ''اس کتاب (بخاری شریف) کی ایسی برکت ہے کہ اگر اچھی طرح سمجھ کر پڑھ لیا تو انشاء اللہ کہیں رکاوٹ نہیں ہوگی۔'' اصلاح باطن کے لیے صحیح بخاری کی کتاب الرقاق اور جامع ترمذی کے ابواب الزہد والرقاق کا بار بار مطالعہ بہت مفید رہا۔

کتب صحاح اور ان کی شروح:

صحیح مسلم کی شروح میں امام نووی کی شرح عام ومتداول ہے اور سہولت واختصار کے لحاظ سے طلبہ کے لیے بہت مفید ہے۔ فتح الملہم گو مکمل نہ ہوسکی تاہم شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا قابل فخر کارنامہ ہے۔ ابوداؤد کے قاری کے لیے بذل المجہود سے مفر نہیں۔ جامع ترمذی کی شروح میں مخدومی الاستاد علامہ سید محمد یوسف صاحب البنوریؒ [1] کی مبسوط شرح معارف السنن اسم بامسمیٰ مصنف کے وفورِ علمی وسعت ودقت نظر حذاقت ومہارتِ فن پر شاہد عدل اور عمق وتحقیق کا نمونہ ہے۔ مباحث

---

[1] یوسف اقلیم فضل وکمال مخدومی الاستاذ العلامہ السید محمد یوسف صاحب البنوری البشاوری مدظلہٗ حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے جانشین وعاشق، ان کے علوم کے راوی اپنی ذات میں اسلامی علوم کا چلتا پھرتا جامعہ حدیث و فقہ وتفسیر کے متبحر ونا قد عالم، عظیم ادیب اور بحر العلوم ہیں۔ حسن اخلاق، جودوسخا، تقویٰ وورع، خشیت ورقیق القلبی، شیریں کلامی وحسن بیان میں نمونہ، دقت نظر، وسعت معلومات کثرت مطالعہ میں اپنی نظیر آپ اور حافظہ اور استحضار علوم کے بادشاہ ہیں ع بسیار شیوہ ہاست بتاں را کہ نام نیست

فقیر کو بھی حضرۃ علامہ مدظلہٗ سے حدیث شریف کی سند واجازت سے سعادت حاصل ہے۔

فاضلہ، دقائق فائقہ، حقائق رائقہ، معلومات واسعہ، معارف عالیہ و رموز عجیبہ پر مشتمل ہے۔ علامہ موصوف نے اس کتاب میں نہ صرف اپنے یگانۂ روزگار استاد علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کے علوم و تحقیقات کو یکجا کر دیا ہے بلکہ محول محدثین وائمہ اعلام کے نوادرات علمی کا مفید و جامع ملخص پیش کر دیا ہے۔ مسلک حنفیہ کو احادیث مبارکہ کی روشنی میں جس عدل و فراخدلی اور وضاحت وخوبی سے منقح و مبرہن فرمایا ہے قابل داد و حیرت انگیز ہے۔　　(جاری ہے)

☆☆☆☆☆☆☆

گزشتہ شمارے کے چند اغلاط کی تصحیح

''غزالی'' اگرچہ گزشتہ سال سے باصرہ نواز ہورہا ہے لیکن اب حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب مدظلہٗ کی کرم نوازی اور ذرہ نوازی کہ اس ظلوم وجہول کو بھی ''غزالی'' جیسے خالص اور تربیتی مجلّے کی مجلسِ مشاورت میں شامل فرمایا۔ لہٰذا رسالے سے متعلق کچھ عرض کرنا اب اپنی اصولی ذمہ داری سمجھتا ہوں۔

گزشتہ شمارے کے مطالعہ سے پروف کی چند اغلاط سامنے آئیں تھیں۔ یہاں ان کی نشاندہی کی جاری ہے۔ قارئین تصحیح فرمالیں۔

صفحہ نمبر	سطر نمبر	غلط	صحیح
۱۔	۹	بخار	بخاری
۴۔	۵	حقاء وسرء	خفا و سر
۱۰۔	۱۱	کھیل کھود	کھیل کود
۱۵۔	۱۶	دوائیں تھویز	دوائیں تجویز
۱۶۔	۵	اس اس (مکرر)	اس
۲۱۔	۱۴	کھٹلتی	کھٹکتی

☆☆☆☆☆☆☆

جناب سید مسرت حسین شاہ صاحبؒ کی وفاتِ حسرت آیات (چوتھی قسط)

(ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہٗ)

کہتے ہیں کہ آدمی کی شخصیت کا اُس وقت پتہ چلتا ہے جب اُس کے ساتھ آدمی کا کوئی معاملہ آیا ہو یا اُس کے ساتھ سفر کیا ہو۔ یونیورسٹی کے اکٹھے قیام کے علاوہ بندہ کے جناب مسرت حسین شاہ صاحبؒ کے ساتھ دو طویل سفر ہوئے۔ ایک ۱۹۷۵ء میں حج کا سفر ہوا اور اُس کے بعد ۱۹۷۹ء میں سعودی عرب کا ایک بہت لمبا سفر تبلیغی سلسلے میں ہوا جس میں عمرہ بھی شامل تھا۔

حج کا سفر ہم دونوں کا اپنے شیخ و مربی حضرت مولانا محمد اشرف صاحب سلیمانیؒ کے ساتھ ہوا۔ یہ سفر دسمبر ۱۹۷۵ء میں ہوا۔ ان دنوں بندہ خیبر میڈیکل کالج پشاور میں لیکچرر تھا اور شاہ صاحبؒ اسلامیہ کالج پشاور میں انگریزی کے لیکچرر تھے۔ عام طور پر لوگ کہتے ہیں کہ حج کے سفر میں ساتھیوں میں کچھ نہ کچھ جھگڑا ہو ہی جاتا ہے اور گہرے دوست قریبی رشتہ دار یہاں تک کہ استاد شاگرد اور پیر مرید کچھ نہ کچھ رنجش ضرور ساتھ لے کر آتے ہیں۔ لیکن اللہ کے فضل سے شاہ صاحبؒ نے یہ سارا وقت ساتھیوں کی خدمت میں گزارا۔ ہنسی مذاق سے ساتھیوں کا دل خوش رکھتے رہے اور اپنے عبادت والے اعمال میں خوب مصروف رہے۔ یہ سفر اس حال میں مکمل ہوا کہ ان کی خوشگوار یادیں دل میں باقی رہ گئیں۔

ہمارا دوسرا اکٹھا سفر ۱۹۷۹ء جون میں ہوا۔ یہ سفر تبلیغی جماعت کے ساتھ سعودی عرب کا ہوا۔ اس میں عمرہ بھی شامل تھا۔ بنیادی طور پر یہ سفر سعودی عرب کے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں تبلیغی کام کرنے کے لیے تھا۔ الخُبر کے تبلیغی مرکز سے ہماری تشکیل کی گئی۔ امریکن پیٹرولیم یونیورسٹی دمام سے کام شروع کیا۔ وقت کم ہونے کی وجہ سے کچھ دنوں بعد امیر صاحب نے آدھی جماعت کو اپنے پاس رکھتے ہوئے آدھی جماعت کو ریاض کے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں بھیج دیا۔ بندہ شاہ صاحبؒ کی امارت میں ریاض والی جماعت میں چلا گیا۔ مختلف کالجوں اور یونیورسٹیوں میں کام کرتے رہے، اساتذہ اور طلباء کے ساتھ رابطہ ہوتا رہا۔ شاہ صاحب نے اپنی خداداد صلاحیتوں سے اساتذہ اور طلباء کو خوب متاثر کیا۔ طلباء کے ساتھ تو ہمارے ایسے محبت والے

تعلقات بنے کہ گویا برسوں کی شناسائی ہو۔ رائے ونڈ والے حضرات چاہتے تھے کہ وہاں کے اساتذہ اور طلباء کے ساتھ ہمارے زیادہ تعلقات ہوں تا کہ تبلیغ کے کام کو یہ حضرات گہرے طریقے سے سیکھ لیں۔ ان دنوں سعودی عرب میں تبلیغی کام کی کھلم کھلا اجازت تھی مختلف شہروں میں مرکز آباد تھے، جماعتیں چلتی تھیں اور سعودی حکومت اور عوام انتہائی فراخ دلی کے ساتھ استقبال کرتے تھے۔ حضرات ہماری جماعت کی کارکردگی سے اتنے خوش تھے کہ ہمیں حج کے لیے بھی ٹھہرنے کی اجازت کردی۔ اسی سال سعودی عرب میں سلفیوں کا ہنگامہ ہوا۔ بیت اللہ شریف مسجد الحرام پر قبضہ کرلیا۔ پورے ملک کا سکون اور امن وامان درہم برہم ہوا۔ سعودی عرب میں تبلیغی جماعت سمیت ساری تحریکیں ختم ہوگئیں۔ اس سے مغرب کے اہلِ کفر کے منصوبے کامیاب ہوگئے اور امتِ مسلمہ کو عظیم نقصان اُٹھانا پڑا۔ تین مہینے کا سفر مکمل کر کے ہماری واپسی ہوئی۔

تبلیغ کے کام کے ساتھ اپنی انفرادی اور تفصیلی تربیت کے لیے ہم لوگوں نے بیعت بھی کی، بندہ کی بیعت حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے ہوئی جب کہ جناب مسرت حسین شاہ صاحبؒ نے حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ سے بیعت کی۔ ہر دو حضرات ہم سے کافی دور تھے۔ آمد ورفت تو بہت مشکل تھی۔ خط وکتابت کرتے رہتے تھے۔ دونوں حضرات کے حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ کے ساتھ اچھے تعلقات تھے اس لیے تفصیلی تربیت اور ذکر اذکار ہم نے حضرات کی طرف سے حضرت مولانا اشرف صاحبؒ کی نگرانی میں کیئے۔ کچھ عرصے میں حضرت مولانا صاحب نے شاہ صاحب کو مجازِ بیعت کر کے چاروں سلسلوں میں خلافت دے دی۔

تبلیغ والے حضرات کے نزدیک بیعت کا تصور صرف حضرات کے ہاتھ میں ہاتھ دے دینا اور بس۔ تفصیلی تربیت یا کسی اور جگہ سے بیعت ہوجانا یا تبلیغ کے کام کے ساتھ تصوف کا کام کرنا یہ اُن کی کتاب میں نہیں تھا۔ چنانچہ حضرت مولانا اشرف صاحبؒ اور اُن کے ساتھیوں کو اِس وجہ سے تنگ کر کر کے خوب کارنر کیا گیا اِس پر بس نہیں ہوئی بلکہ مکمل ناک آؤٹ کر دیا گیا۔ یہ ترتیب اگر چہ مولانا الیاسؒ، مولانا یوسفؒ اور مولانا انعام الحسن صاحبؒ کی نہیں تھی لیکن ایک طبقہ تشکیلی اور انتظامی ترتیب پر اتنا چھا گیا تھا کہ اُس نے اپنی ترتیب ہی حاوی کر لی تھی۔ اللہ کا شکر کہ ہم لوگوں نے خانقاہی ترتیب پر کام شروع کر دیا۔ بقولِ مفتیان صاحبان خانقاہی ترتیب عین طریقۂ نبوت ہے جبکہ تبلیغی ترتیب استنباطی طور سے اقرب الی السنّت ہے۔

حضرت مولانا صاحبؒ کی زندگی میں پشاور کے خلفاء اپنے ذریعے متعارف ہونے والے حضرات کی بیعت حضرت مولانا صاحبؒ سے ہی کرواتے تھے۔آپ کی وفات کے بعد ہی پشاور والے خلفاء نے بیعت کا سلسلہ شروع کیا ۔حضرت شاہ صاحبؒ پہلے اپنے شہر والے مکان میں کام کرتے تھے۔ یونیورسٹی منتقل ہونے کے بعد یہاں کام شروع کیا۔اُن کے اخلاص، ذہانت اور خدمتِ خلق نے تائیدالٰہی کو متوجہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو فائدہ پہنچایا۔ جدید اور ماڈرن طبقہ اور معاشرے کا مالی لحاظ سے اُونچا طبقہ اُن کی وجہ سے متوجہ ہوا۔آنے والوں کی بھرپور اصلاح ہوئی اور اُنہیں مکمل سنت والی زندگی نصیب ہوئی۔کچھ حضرات کی تربیت مکمل ہوئی اور اُنہیں شاہ صاحبؒ نے مجازِ بیعت بنایا۔کچھ کی ذہانت ،محنت اور اخلاص سے مطمئن ہوکر اس اُمید میں کہ مستقبل میں اللہ اُن کی تکمیل کردے گا اُن کو بھی اجازت دے دی۔چنانچہ مندرجہ ذیل حضرات کو آپ کی طرف سے اجازت ہے:

۱۔ پروفیسر ڈاکٹر خان بہادر صاحب مروت موصوف شعبۂ زراعت میں پی ایچ ڈی ہیں۔عرصۂ دراز حضرت مولانا اشرف صاحبؒ کی خدمت میں رہے ہوئے ہیں۔آج کل زرعی یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں اور اپنے شعبے کے سربراہ ہیں۔

۲۔ پروفیسر ڈاکٹر غلام ناصر صاحب مروت،موصوف فارسی میں پی ایچ ڈی ہیں،شعبۂ فارسی، پشاور یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں۔

۳۔ ڈاکٹر ارشد تقویم صاحب کاکاخیل،ڈاکٹر صاحب پشاور کے جرنیلی ہسپتال کے میڈیکل بی وارڈ میں اسسٹنٹ پروفیسر میڈیسن ہیں۔

۴۔ عبدالوحید صاحب،ان کا قیام پشاور شہر میں ہے۔

۵۔سلطان محمود صاحب، موصوف کیمسٹری کے لیکچرار ہیں اور آج کل عمان کے دارالخلافہ مسقط میں ملازمت کررہے ہیں۔

تین چار حضرات مزید بھی ہیں جن کی تفصیلات بندہ کو نہیں مل سکیں۔

بیماری کے دوران بندہ سے فرمایا کہ حضرت مولانا اشرف صاحبؒ کی طرف سے تمہیں اجازت ہے میرا دل چاہتا ہے کہ مجھے جو اجازت حضرت شیخ مولانا زکریا صاحبؒ کے خلفاء سے حاصل ہے اُس سلسلے میں تمہیں اجازت دوں کیونکہ حضرت شیخؒ سے بھی تمہیں مناسبت حاصل ہے۔چنانچہ بندہ کو بھی اجازت عطا فرمائی۔(جاری ہے)

بیانِ جمعہ مدینہ مسجد پشاور یونیورسٹی

(ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہُ)

خطبہٴ ماثورہ:

فَسْئَلُوْٓا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ٥　　(النحل:۴۳، الانبیاء:۷)

ترجمہ: سو پوچھو یاد رکھنے والوں سے اگر تم کو معلوم نہیں۔ (معارف القرآن)

محترم بزرگوں اور دوستو! یہ آیت میں نے آپ کے سامنے پڑھی اس میں یہ فرمایا گیا ہے کہ اگر تم کسی بات کو نہیں جانتے تو جاننے والوں سے پوچھو اور معلوم کرو۔ یہ دنیا کا مسلّمہ اصول ہے کہ ہر شعبہٴ زندگی میں اُس کے جاننے والوں اور ماہرین سے رائے، مشورہ اور رہنمائی لی جاتی ہے اور اُس کے مطابق عمل کر کے فوائد حاصل کیئے جاتے ہیں۔ سارے انسان زندگی گزارنے کے لئے اس اصول کو برتتے ہیں کیونکہ ہر شعبے کی پوری معلومات رکھنا اور اُس میں مہارت حاصل کرنا انسان کے بس سے باہر ہے۔ لہٰذا دوسرے شعبے سے فائدہ حاصل کرنے کے لئے اُس کے ماہر سے پوچھا جاتا ہے اور اُس کے مطابق عمل کیا جاتا ہے۔ اگر ایک انجینئر بیمار ہو کر کسی ڈاکٹر کے پاس آتا ہے تو ڈاکٹر اُس سے ضروری سوالات پوچھ کر اور معائنہ کر کے اُس کی بیماری کی تشخیص کر دیتا ہے اور اُس کے مطابق علاج تجویز کر کے نسخہ لکھ دیتا ہے۔ اب اگر یہ انجینئر ڈاکٹر سے کہے کہ آپ نے کیسے میری بیماری کی تشخیص کر لی اور کیسے یہ دوا تجویز کر دی، یہ دوا کیسے اثر کرتی ہے اور اس کا Mechanism of action کیا ہے، یہ ساری باتیں مجھے سمجھاؤ۔ یہ ڈاکٹر صاحب اگر سرکاری ہسپتال میں ہے تو اُسے تو دو گھنٹے میں سو مریض دیکھنے ہوتے ہیں یعنی ۱۲۰ منٹ میں ۱۰۰ مریض، فی مریض ۱.۲ منٹ ہوتے ہیں۔ اُس نے تو دو ہی گھنٹے میں مریض دیکھنے ہیں، جتنے دیکھ لئے، دیکھ لئے باقی اپنا کام کریں۔ ہاں اگر پرائیویٹ جگہ پر ہو تو جتنی بھی دیر ہو جائے خیر ہے۔ چار بجے شروع ہو کر اگر آٹھ بجے ختم ہوں تو آٹھ بجے تک بیٹھتا ہے اور اگر دس بجے ختم ہوں تو دس بجے تک بیٹھتا ہے۔ خیر تو یہ ڈاکٹر اُس انجینئر سے کہے گا کہ میں نے اٹھارہ بیس سال میں ڈاکٹری سیکھی ہے

اور کئی سال کا میرا عملی تجربہ ہے، میں آپ کو یہ ساری تفصیلات تھوڑی سی دیر میں نہیں سمجھا سکتا اور نہ ہی آپ تھوڑی سی دیر میں اِن تفصیلات کو سمجھ سکتے ہیں۔ تو یہاں پر انجینئر اِن بحثوں میں نہیں پڑتا بلکہ ڈاکٹر کو اپنے شعبے کا ماہر مانتے ہوئے اُس کے مشورے کے مطابق عمل کرتا ہے اور نتائج حاصل کرتا ہے۔ اسی طرح اگر ڈاکٹر گھر بنواتے وقت انجینئر سے کہے کہ آپ بنیاد بناتے ہوئے سیمنٹ اور ریت کا تناسب ایک رکھتے ہیں اور دیوار میں اور تناسب رکھتے ہیں اور لنٹر میں اور، یہ کیوں؟ اور آپ پلر، بیم اور لنٹر میں سریے کی مقدار اور سائز کیسے تجویز کرتے ہیں اور اس میں کیا حکمت ہے؟ تو انجینئر اُس سے کہے گا کہ میں نے اس علم کو سیکھا ہے اٹھارہ بیس سال میں اور کئی سال کا میرا عملی تجربہ ہے، تھوڑی سی دیر میں، میں یہ ساری باتیں آپ کو نہیں سمجھا سکتا۔ نہ آپ کے پاس اِتنا وقت ہے اور نہ میرے پاس۔ تو یہاں بھی ڈاکٹر صاحب اِن بحثوں میں پڑنے کے بجائے انجینئر کی مہارت کو تسلیم کرتے ہوئے اُس کے مشورے کے مطابق عمل کرتا ہے۔

یہ دنیا کا ایک پکا ٹھکا اصول ہے کہ ہر شعبہ میں اُس کے جاننے والے کی معلومات اور مہارت سے لوگ فائدہ اُٹھاتے ہیں اور اُس سے پوچھتے ہیں۔ ہر شخص کو اپنے شعبے کی مہارت ہوتی ہے۔ فرض کریں اگر ایک سمندری جہاز میں سفر کے دوران جہاز کا کپتان یہ اعلان کردے کہ یہاں سے دوسو میل دور سمندر میں سخت طوفان ہے جو ہماری طرف آرہا ہے اور اُس کی رفتار سو میل فی گھنٹہ ہے۔ دو گھنٹے کا وقت ہے اس میں لوگ تیاری کرلیں۔ لائف جیکٹ پہن لیں اور اپنے ساتھ ضروری خوراک وغیرہ کا بندوبست کرلیں تاکہ اگر جہاز ڈوبنے لگے تو لوگ سمندر میں تیرتے ہوئے اپنی جانیں بچانے کی کوشش کریں۔ اب اگر جہاز میں آٹھ دس دانشور کھڑے ہوں اور کہیں کہ ہم کیسے یقین کرلیں، آپ کے پاس کیا ثبوت ہے اپنی بات کا۔ ہمیں تو کچھ نظر نہیں آتا اور لوگوں کو تیاری کرنے سے روکیں تو جہاز کا کپتان سیکورٹی والوں کو بلا کر ان آٹھ دس آدمیوں کو پکڑوائے گا اور باندھ دے گا اور باقی لوگ تیاری کریں گے کیونکہ اُن کو پتا ہے کہ جہاز کا کپتان اپنے شعبے کا ماہر ہے۔ لہٰذا اُس کی بات پر بہر صورت یقین کرنا ہوگا اور اُسے مان کر اُس کے مطابق عمل کرنا ہوگا۔

ایک دلچسپ بات یاد آگئی آپ کو بتادوں۔ ایک بحری سفر کے دوران جہاز کے کپتان نے

وقت گزاری کیلئے قرآن مجید کا مطالعہ شروع کر دیا۔ پڑھتے پڑھتے جب وہ سورہ نور کی آیت

اَوْ کَظُلُمٰتٍ فِیْ بَحْرٍ لُّجِّیٍ یَّغْشٰهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ؕ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ؕ اِذَآ اَخْرَجَ یَدَهٗ لَمْ یَكَدْ یَرٰىهَا ؕ وَ مَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ O (النور:۴۰)

ترجمہ: یا جیسے اندھیرے گہرے دریا میں، چڑھی آتی ہے اُس پر ایک لہر، اُس پر ایک اور لہر اُس کے اوپر بادل، اندھیرے ہیں ایک پر ایک۔ جب نکالے اپنا ہاتھ لگتا نہیں کہ اُس کو وہ سوجھے۔ اور جس کو اللہ نے نہ دی روشنی اُس کے واسطے کہیں نہیں روشنی۔ (معارف القرآن)

پر پہنچا تو اُس پر عجیب اثر ہوا۔ اس آیت میں سمندری طوفان کی عجیب منظر کشی کی گئی ہے کہ سمندر ہو، رات ہو، بادل ہوں، تہ بہ تہ اندھیرے ہوں اور اتنا سخت اندھیرا ہو کہ آدمی کو اپنا ہاتھ دکھائی نہ دے۔ جب اُس نے یہ پڑھا تو اُس نے سوچا کہ اس کتاب کو لکھنے والا تو اپنی لائن کا آدمی لگتا ہے اور بہت تجربہ کار جہاز ران ہے جس کا پچیس تیس سال کا تجربہ ہے سمندری سفر کا۔ اس سے تو ملنا چاہیے کیونکہ ہر شعبے کے آدمی کو اپنے شعبے کے آدمی سے ملنے اور اپنے تجربات پر بحث کرنے کا لطف آتا ہے۔ اُس نے کسی سے پوچھا کہ یہ کتاب کس نے لکھی ہے؟ بتانے والے نے بتایا کہ یہ محمد ﷺ کی کتاب ہے۔ بحری جہاز کے کپتان نے پوچھا کہ اس آدمی نے کتنے سمندری سفر کئے ہیں اُس کو بتایا گیا کہ اُس نے زندگی بھر سمندری سفر نہیں کیا۔ کپتان نے کہا یہ ہو ہی نہیں سکتا، اُس نے جو منظر کشی کی ہوئی ہے یہ تو کوئی ایسا آدمی کر سکتا ہے جس نے تیس چالیس سال سمندروں میں سفر کیا ہو۔ کیونکہ ایسا منظر تو میں نے خود ایک دو دفعہ ہی دیکھا ہے جبکہ میرا سمندری سفر کا وسیع تجربہ ہے۔ معلومات کرتے کرتے اُس کو کسی نے بتایا کہ یہ دراصل آسمانی کتاب ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہے۔ اُس نے کہا ہاں یہ ہو سکتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا علم محیط ہے ساری کائنات پر۔ اس سے اُس پر اسلام کی حقانیت واضح ہوئی اور وہ مسلمان ہوا۔

ایک لطیفہ یاد آ گیا آپ کو سنا دوں۔ انگریزوں کے زمانے میں ایک انگریز کا گھوڑا بیمار ہو گیا اور کھانا پینا چھوڑ دیا۔ اپنے ڈاکٹروں سے بہت علاج کرایا مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ آخر کسی نے کہا کہ بڈھ

بیر (پشاور کا دیہات) سے فلانے چاچا کو بلاؤ وہ بہت ماہر ہے وہ اِس کا علاج کرے گا۔ اُس کو بلایا گیا۔ وہ آیا گھوڑے کے چاروں طرف پھرا، تفصیلی معائنہ کیا کہ کان کیسے ہیں، ناک پر پسینہ ہے کہ نہیں، ہونٹ کیسے ہیں وغیرہ۔ پورے signs and symptoms (علامات) دیکھے پھر کہا ایک پستول لاؤ۔ مالک سمجھا شاید مرض لاعلاج ہے اور اب یہ اس کو مارنا چاہتا ہے۔ خیر پستول لایا گیا۔ چاچا نے گھوڑے کے کان کے پاس ایک فائر کر دیا۔ فائر کی آواز سن کر گھوڑا بدکا اور فوراً ہی اُس نے چارہ کھانا شروع کر دیا اور ٹھیک ہو گیا۔ اُس ماہر سے پوچھا گیا کہ یہ کیا بیماری تھی اور یہ آپ نے کیسا علاج کیا؟ اُس نے کہا دراصل یہ گھوڑا کسی دھماکے یا فائر کی آواز سے ڈر گیا تھا جس کی وجہ سے اُس کی آنتوں میں جکڑن (spasm) پیدا ہو گئی تھی۔ اب جو میں نے دوبارہ shock دیا تو اُس کی تکلیف ختم ہو گئی۔ تو ہر میدان کے اپنے ماہرین ہوتے ہیں اور دوسرے لوگ جن کو اُس میدان کی معلومات اور مہارت نہیں ہوتی، وہ اُن ماہرین سے پوچھ پوچھ کر چلتے ہیں کیونکہ انسانی عقل محدود ہے اور وہ سارے شعبوں کی مہارت حاصل نہیں کر سکتی۔ پھر اگر میدان علمی ہو تو وہ تو بہت مشکل کام ہے۔

ایک دفعہ علامہ اقبال کے بیٹے ڈاکٹر جاوید اقبال نے بیان دے دیا کہ فقہ حنفی بہت فرسودہ ہے اس میں ترمیم اور اجتہاد کی ضرورت ہے اور یہ اجتہاد پارلیمنٹ کرے۔ اُن دنوں میں کِنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج میں جمعہ پڑھایا کرتا تھا۔ ہمارے ایک دوست کہا کرتے تھے کہ منبر اور مصلّی کا تمھارا ٹھیکہ ہے جہاں چلے جاتے ہو ان پر قبضہ کر لیتے ہو۔ وہاں کے امام صاحب کو امریکہ جانے کیلئے چھٹی نہیں مل رہی تھی۔ اُس نے مجھے کہا کہ ڈاکٹر صاحب میں چھٹی پر جا رہا ہوں میری غیر موجودگی میں آپ جمعہ پڑھایا کریں۔ چنانچہ ڈاکٹر جاوید اقبال صاحب کے بیان پر تبصرہ کرنے کے لئے بندہ کو ایک بہت اچھا سٹیج مل گیا جس سے بندہ نے اس موضوع پر کئی تقریریں کیں جن کا خلاصہ یہ ہے۔

کہ اگر کل کوئی یہ کہہ دے کہ فارماکوپیا (Pharmacopea) جو دوائیوں کی کتاب ہوتی ہے وہ بھی پارلیمنٹ لکھے تو کوئی اس بات کو مان لے گا؟ نہیں بلکہ کہا جائے گا کہ اس کیلئے تو اس شعبے کے ماہرین کی ضرورت ہے پارلیمنٹ کے لوگوں کو دوائیوں کا کیا پتا۔ یا آج کوئی کہہ دے کہ

بالاکوٹ کے زلزے سے متاثرہ علاقے کیلئے گھروں کے سٹرکچر (structure) پارلیمنٹ ڈیزائن کرے تو اس کو کوئی نہیں مانے گا بلکہ کہیں گے کہ یہ تو سٹرکچرانجینئر اور زلزلہ والے علاقوں کی مہارت رکھنے والے انجینئروں کا کام ہے۔

ہماری پارلیمنٹ کا تو یہ حال ہے کہ جو کوئی خاندان میں سارے کاموں سے رہ جائے اُس کو سیاست میں لے آتے ہیں کہ ویسے بھی کسی کام کا نہیں۔اور ہمارے اکثر وفاقی وزیروں کا تو یہ حال ہے کہ جس شعبے کے وزیر ہوتے ہیں اُس کا الف با پتا نہیں ہوتا اور شعبے کو چلانے کیلئے اُس کے ساتھ وزیر مملکت کو لگایا جاتا ہے جو اُس شعبے کی مہارت رکھتا ہے اور سارے کام کی دیکھ بھال کرتا ہے۔

علمی میدان کا کام بہت مشکل ہے اور پھر دینی علم تو اور بھی مشکل بات ہے کیونکہ اُس کی پوری معلومات اور مہارت تو بغیر وحی کی رہنمائی کے نہیں ہوسکتی۔ یہ جو آیت ہے

وَ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ الذِّکۡرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیۡهِمۡ وَ لَعَلَّهُمۡ یَتَفَکَّرُوۡنَ O
(النحل:۴۴)

ترجمہ: اور اُتاری ہم نے تجھ پر یہ یاداشت (قرآن) کہ تو کھول دے (بیان کرے) لوگوں کے سامنے وہ چیز جو اُتری اُن کے واسطے تا کہ وہ غور کریں۔ (معارف القرآن)

کہ ہم نے قرآن نازل کیا (اے پیغمبرؐ) تجھ پر تا کہ تو بیان کرے۔تو قرآن نے قرآن کی تشریح کا حق حضور ﷺ کو دیا ہے۔قرآن میں احکام اجمالی طور پر بیان ہوئے اور پھر حضور ﷺ نے اس کی تفصیلات بیان کی ہیں جو حدیث کی شکل میں محفوظ ہیں۔قرآن میں کہیں نماز کی رکعتوں کا ذکر نہیں ہے کہ کس نماز میں کتنی رکعتیں ہوں۔ یہ رکعتیں حضور ﷺ نے اقیموا الصلوٰۃ کی تشریح میں بیان کی ہیں۔اور پھر آگے فرمایا، یہ بھی اس میں غور وفکر کریں۔اس میں ائمہ مجتہدین کی تشریح کی گنجائش چھوڑی گئی ہے کہ وہ قرآن وسنت میں غور وفکر کر کے مسائل کو بیان کریں۔

سیکھنے کے مختلف مدارج ماہرینِ نفسیات بیان کرتے ہیں کہ ایک Cognitive Domain ہے جو صرف کسی چیز کو یاد کرنا اور اُس سے کسی مسئلے کو حل کرنا ہے۔اس کا دارومدار صرف یاداشت پر ہوتا ہے۔ Psychomotor Domain میں تمام ہنر

(Skills) آجاتے ہیں جو انسان اپنے اعضاء سے کرتا ہے۔اس میں مہارت کا دارومدار اُس چیز کو بار بار کرنے سے ہوتا ہے۔اور ایک ہوتا ہے Effective Domain یا Attitude یا رویہ۔یعنی اس کی آخری حد یہ ہے کہ جو معلومات حاصل ہوئی ہیں وہ انسان کے اندر آکر اس کے اعضاء وجوارح سے بار بار صادر ہوکر اب اُس کے اندر رچ بس گئی ہیں اور اُس کی شخصیت کا حصہ بن گئی ہیں ۔ چنانچہ انسان کی شخصیت کا کبر، لالچ ، کینہ، حسد، بغض ریاء وغیرہ قسم کے اخلاقِ رذیلہ یا تواضع ، قناعت ،صبر ،شکر ، خیرخواہی وغیرہ قسم کے اخلاقِ فاضلہ نفسیات والوں کا Attitude یا رویہ ہیں۔ یہ باتیں عام مولوی نہیں کرسکتا یہ تو صوفیائے کاملین ومحققین کا کام ہے جنہوں نے اس کو خود حاصل کیا ہو اور برتا ہو اور اُس کے لئے اپنی زندگی وقف کی ہو۔ہمیں سٹاک اکسچینج کے شیئرز کے بارے میں فتویٰ درکار تھا تو پورے پشاور میں کوئی مفتی نہیں تھا کہ اس کو بیان کرسکے کیونکہ اس کو پڑھا ہی نہیں ہوا۔ جناب مفتی تقی عثمانی صاحب اسلامی معاشیات اور اقتصادیات کے عالمی سطح کے ماہر ہیں اُن سے پوچھنے پر مسئلہ حل ہوا۔ کیونکہ اُنہوں نے اِس چیز کو سیکھ کر اس کے لئے زندگی وقف کرکے اس میں مہارت حاصل کی ہوئی تھی ۔

تو بات کا خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح ہم دنیا کے سارے شعبوں میں اس کے ماہرین سے پوچھ کر چلتے ہیں تو اسی طرح دین کے بارے میں بھی جس بات کا پتا نہ ہو اس کو اہلِ حق علماء سے پوچھیں ۔ ہر ایرے غیرے نتھو خیرے کی بات پر آنکھیں بند کرکے یقین نہ کریں ۔ یہ جو قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ تم جس بات کو نہیں جانتے اُس کو جاننے والوں سے پوچھو تو یہ اس بارے میں فرمایا گیا ہے کہ دین کے بارے میں پوچھ پوچھ کر چلو۔ دنیا کے بارے میں اگر غلطی ہوگئی تو دنیا کا نقصان ہے لیکن اگر دین کے بارے میں غلطی ہوگئی تو یہ دنیا وآخرت دونوں کا نقصان ہے۔ بندہ کی دعا ہے کہ حدود آرڈیننس کے بارے میں اللہ تعالیٰ حکومت کو علماء کی رہنمائی حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ۔

☆☆☆☆☆☆☆

دعا مومن کا ہتھیار ہے

(محترمہ فائزہ شہزاد، حیات آباد، پشاور)

حضور ﷺ نے فرمایا!'' تم میں سے جس کے لئے دعا کا دروازہ کُھل گیا اُسکے لئے رحمت کے دروازے کُھل گئے اور اللہ کو سوالوں اور دعاؤں میں سب سے زیادہ محبوب یہ ہے کہ بندے اس سے عافیت کی دُعا کریں۔'' (ترمذی)

حدیث مبارکہ ہے ''دُعا عبادت کا مغز اور جوہر ہے۔'' (ترمذی)

اُمتِ مسلمہ کو حضورِ اکرم ﷺ کے ذریعے روحانی دولتوں کے جو خزانے ملے ہیں اس میں سب سے بیش قیمت خزانہ اُن دُعاؤں کا ہے جو مختلف اوقات میں اللہ تعالیٰ سے خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیں یا امت کو ان کی تلقین فرمائی۔ دُعا کے لئے کسی زبان، انداز یا الفاظ کی کوئی قید نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے ہر بندے کے عمل اور نیت سے بخوبی واقف ہے۔ ہر شخص اپنے علم، اپنی زبان اور اپنے الفاظ کے مطابق اپنے ربّ کو پُکارتا ہے اور ربّ اللعالمین تو پورے جہانوں کا ربّ ہے۔ وہ اپنے بندے کی ہر دُعا قبول کرتا ہے بلکہ جو اللہ سے نہ مانگے تو اس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔ یہ دُعا ہی ہے جو ہمیں اللہ کے قریب کرتی ہے۔ دُعا کیلئے وقت، مقام یا کسی خاص جگہ کا کوئی تعین نہیں ہے۔ ہر وقت، ہر جگہ، ہر حالت میں (خواہ بیٹھا ہو یا کھڑا ہو یا لیٹا ہو) دعا کر سکتے ہیں۔ اسکے لئے نہ وضو، نہ ہاتھ اُٹھانے کی نہ بولنے کی شرط ہے۔ دعا تو دعا ہے۔ دل ہی دل میں بھی مانگ سکتے ہیں اور آہستہ آواز میں بھی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے کا آسان ترین اور مختصر ترین راستہ یہ ہے کہ انسان ہر وقت اللہ تعالیٰ سے مانگتا رہے، دعا کرتا رہے جو دکھ، پریشانی، حاجت ہو بس اللہ تعالیٰ سے مانگیں۔ راقمتہ الحروف کی عادت ہے بچپن سے کہ اگر گرمی بھی لگتی تھی تو یہ دعا کیا کرتی تھی '' اللہ جی گرمی دور فرما دیجئے''۔ اگر بجلی چلی جاتی تھی تو فوراً کہنا '' اللہ جی جلدی سے بجلی لے آئیں ''یقین مانیئے دِل کو ایسا سکون ہو جاتا تھا گویا گرمی کا وجود ہی نہیں یا پھر اندھیرا ہے ہی نہیں اور اب تک یہی عادت ہے۔ باہر جانا ہو تو یہی دعا ہوتی ہے '' اللہ جی خیریت سے جاؤں اور جو لینے جا رہی ہوں وہ مل جائے اور خیریت سے گھر لوٹوں''۔ یقین کریں ہر راستہ آسان ہو جاتا ہے۔ بظاہر یہ معمولی سا کام ہے مگر کر کے دیکھئے کیسا سکون، کیسا

اطمینان نصیب ہوتا ہے۔حضور اکرم ﷺ نے فرمایا!''تم میں سے ہر شخص کو اپنی حاجت اللہ سے مانگنی چاہیے حتیٰ کہ اگر اُسکی جوتی کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو اللہ سے دعا کریں۔''(ترمذی) ایک مرتبہ گھر پر مہمانوں کی دعوت تھی۔طبیعت کچھ ٹھیک نہ تھی لیٹے لیٹے دعا کی ''اللہ جی! جلدی سے ہمت دیں کہ تمام کام جلدی سے نمٹا لوں اور اللہ جی کھانا بہترین پک جائے سبھی تعریف کرتے جائیں اور کھاتے جائیں''۔ابھی پانچ منٹ بھی نہ گزرے ہونگے کہ اپنے اندر ایک نئی قوت سی محسوس ہوئی اور فوراً اُٹھ کر کام میں جُت گئی اور پھر وہی ہوا،تمام لوگ کھانے کی تعریف کرتے جاتے تھے اور کھاتے جاتے تھے۔کہنے یا لکھنے کا مقصد اپنی تعریف کرنا نہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ بظاہر جو معاملات انسان کو اپنے اختیار میں محسوس ہوتے ہیں ان میں بھی تدبیر کرنے سے پہلے اللہ سے مدد مانگنی چاہیے اس لیے کہ کسی معاملے میں بھی ہماری کوئی تدبیر اللہ کی توفیق وتائید کے بغیر کامیاب نہیں ہوسکتی اور تدبیر سے پہلے دعا کے معنی یہ ہیں کہ بندہ ہر وقت اپنی عاجزی اور اللہ کی برتری کا اعتراف کر رہا ہے۔دعا جس قدر دل کی گہرائی سے اور اپنے کو جس قدر عاجز اور بے بس سمجھ کر اور اللہ کی قدرت اور رحمت کے جتنے یقین کے ساتھ کی جائے گی اسی قدر جلد مقبول ہونے کی اُمید ہوگی۔''جب اللہ سے دعا مانگو تو اس یقین کے ساتھ کہ وہ ضرور قبول کرے گا اور عطا فرمائے گا اور جان لو اور یاد رکھو کہ اللہ اُسکی دعا قبول نہیں کرتا جس کا دل (دعا کے وقت) اللہ سے غافل اور بے پرواہ ہو۔'' (ترمذی)

یہ خیال رکھنا چاہیے کہ دعا دراصل ان دُعائیہ الفاظ کا نام نہیں جو زبان سے ادا ہوتے ہیں۔الفاظ تو دُعا کا لباس ہیں۔دُعا کی حقیقت انسان کے قلب اور اس کی روح کی طلب اور تڑپ ہے۔اگر زبان سے آپ دعا کے کلمات ادا کر رہے ہوں مگر دل کسی اور طرف متوجہ ہے تو نہ آپ نے مانگا اور نہ آپکو ملے گا۔دُعا ہمیشہ نیک مقاصد کیلئے کیجئے۔ساتھ ساتھ اپنی دنیا اور آخرت کو سنوارنے اور سدھارنے کی کوشش کیجئے۔وہ رحمٰن ورحیم ہے وہ تو اپنے در سے زانی،شرابی،چور،ڈاکو غرض کسی بھی بندے کو خالی ہاتھ نہیں لوٹاتا۔دعا سے پہلے اللہ کی حمد وثناء پھر اسکے بعد رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجیں اور اسی طرح دعا کے آخر میں درود شریف پڑھئے۔''جو مومن بندہ کوئی دعا کرتا ہے جس میں کوئی گناہ کی بات نہ ہو اور نہ قطع رحمی ہو تو اللہ کی طرف سے اسکی تین چیزوں میں سے ایک چیز ضرور عطا ہوتی ہے یا تو جو اس نے مانگا وہی اسکے ہاتھ کے ہاتھ عطا فرما دیا جاتا ہے یا اسکی دعا کو آخرت میں اس کا ذخیرہ بنا دیا جاتا ہے یا آنے والی کوئی مصیبت اور تکلیف اس دعا کے حساب میں روک دی جاتی ہے۔'' (مسند احمد) حدیث مبارکہ میں ہے ''کیا میں تمہیں وہ عمل بتاؤں جو تمہارے دشمنوں سے تمہارا بچاؤ کرے اور تمہیں بھرپور روزی دِلائے وہ یہ ہے کہ اللہ سے دعا کیا کروں رات اور دن میں کیونکہ دعا مومن کا ہتھیار (یعنی اُس کی خاص طاقت) ہے۔''(مسند ابی یعلی اعوصلی)

جناب عبدالحکیم خان صاحب سابق چیف جسٹس صوبہ سرحد و سابق گورنر صوبہ سرحد کی وفات حسرت آیات

۵ جنوری جمعہ کی صبح برخوردار اویس حکیم کا پیغام (Mobile Message) موصول ہوا کہ دادا جان کی وفات ہوگئی ہے اُن کے لیے دعا کریں۔ جناب عبدالحکیم خان صاحب ایک محتاط، متقی اور علمی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ موصوف کے والد صاحب کا حضرت مولانا اشرف صاحبؒ سے تعلق تھا۔ عبدالحکیم صاحب نے تعلیم مکمل کرنے کے بعد عدلیہ (Judiciary) میں ملازمت اختیار کی، ساری عمر انصاف اور خوفِ خدا کے ساتھ کام کیا، محض محنت، انصاف و دیانت کی وجہ سے تائیدِ الٰہی سے ترقی کرتے کرتے صوبہ سرحد کے چیف جسٹس کے عہدے تک پہنچ گئے۔ متعلقہ لوگوں سے سنا ہے کہ ایک مرتبہ حکومت وقت کے مقابلے میں حق کی حمایت کرتے ہوئے فیصلہ کیا جسکی ناراضگی کی وجہ سے سپریم کوٹ نہ لے جائے گئے۔ بہرحال ضیاء الحق مرحوم کی حکومت کے دوران صوبہ سرحد کے گورنر بنائے گئے اور ایک عرصے تک اس حیثیت سے بھی کام کیا۔ موصوف کا بلکہ پورے خاندان کا حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ کے ساتھ گہرا تعلق تھا۔ ابھی بھی جناب بریگیڈئر اسد صاحب اور ان کا خاندان ''رسالہ غزالی'' سے وابستہ ہے۔ اور برخوردار اویس صاحب باقاعدہ حاجی عبد المنان صاحب (Maintenance Engineer) بیت اللہ شریف اور خلیفہ مولانا اشرف صاحب سے بیعت ہیں اور ان کے زیرِ تربیت ہیں۔ جناب عبدالحکیم صاحب نے حضرت مولانا محمد اشرف صاحب کی برکت سے مکمل شرعی زندگی اختیار کر لی تھی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ جناب جسٹس عبدالحکیم خان صاحب کو مغفرتِ تام نصیب فرمائے، جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ آمین

☆☆☆☆☆☆☆

تبصرۂ کتب

۱۔ تبصرہ نگار: حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب مدظلہٗ

نام کتاب: اذکار الصباح والمساء

مؤلف : نعمان صاحب

بندہ کے سامنے ایک جیبی تقطیع (پاکٹ سائز) کی کتاب "اذکار الصباح والمساء" کے نام سے پڑی ہے جس میں صبح شام کی مسنون دعائیں، زندگی کے مختلف مسائل کے حل کے لئے قرآن وحدیث سے بزرگوں کے مجرب اعمال، اس کے علاوہ حضرت مولانا زکریاؒ کے خاندان کا مجربہ تحفہ بنام ''منزل'' اور حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ صاحب کی ''مناجات مقبول'' کئی اضافوں کے ساتھ یکجا کر دی گئیں ہیں۔اس طرح یہ ایک زبردست مجموعہ اور خزانہ بن گیا ہے۔اس مجموعہ کے جامع برخوردار نعمان ہیں۔ برخوردار نعمان حاجی عبدالمنان صاحب کے صاحبزادے ہیں اور مکہ مکرمہ کے مدارس کے پڑھے ہوئے ہیں۔ برخوردار نعمان نے مختلف دعاؤں اور اعمال کے اصلی ماخذ سے دو دو تین تین سے لے کر دس تک حوالے دیے ہیں۔اہل علم جانتے ہیں کہ یہ کتنا مشکل کام ہے۔ایک بات سے بندہ کو بہت لطف آیا کہ حدیث کی بڑی بڑی کتابیں بخاری، مسلم وغیرہ جن حضرات کی لکھی ہوئی ہیں ان کے حالات کا حوالہ دیا ہے کہ سب کے سب شافعی، حنبلی، مالکی یا حنفی مقلدین تھے۔اللہ تعالیٰ کتاب کو قبول فرمائے اور برخوردار نعمان کی عمر میں برکت نصیب فرمائے۔آمین

۲۔ تبصرہ نگار: غیور احمد درجہ تخصص سال دوم

نام کتاب: نوائے درویش (اصلاحی بیانات حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانیؒ)

مؤلف : حضرت ڈاکٹر فدا محمد مدظلہ العالی

ناشر : ادارہ اشرفیہ عزیزیہ پشاور

صفحات : ۳۸۰

تخلیق کائنات کے ساتھ ساتھ مشیت الٰہی کے تحت اس میں تکوینی اور تشریعی امور کارفرما ہیں۔اللہ

تعالیٰ نے انسان کو خلیفہ اور ساری کائنات کا محور بنایا۔اسی طرح مخلوقات میں سے انسان کے ساتھ جنات کو بھی مکلّف بنایا۔فرشتوں کو اللہ نے مکلّف نہیں بنایا۔کیونکہ مدار تکلیف میں بنیادی کردار اختیار کو حاصل ہے۔اور یہی تشریعی امور کا بنیادی عنصر ہے کہ اس میں مکلّف مختار ہوتا ہے۔فرشتوں میں انکار کا مادہ نہیں باالفاظ دیگر فرشتے گناہوں سے پاک ہوتے ہیں۔کیونکہ دو قوتیں ہیں جو کہ بھلائی اور برائی کی طرف داعی ہیں۔اس میں سے ایک کو ملکیت کہتے ہیں اور دوسری کو بہیمیت کہتے ہیں۔انسان کو یہ دونوں قوتیں ودیعت کی گئی ہیں جبکہ فرشتوں میں صرف ملکیت ہی ودیعت کی گئی ہے۔پھر یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ان دونوں قوتوں کو ختم نہیں کیا جاسکتا۔ہاں اس کو مشیت الٰہی کے تحت لایا جاسکتا ہے۔اسی کا نام اصلاح باطن ہے۔اور اللہ کے ہاں مقبول اصلاح وہی ہے جن کا تعلق باطن کے ساتھ ہو۔ورنہ ظاہری اصلاح بسا اوقات ریاکاری وتکبر کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے۔اصلاحی باطنی ایک مشکل کام ہے۔اس وجہ سے جو اس میں لگ جاتا ہے تو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں وہ جہاد اکبر کرنے والا ہوتا ہے۔

زیر نظر کتاب حضرت تھانویؒ کے خلیفۂ اجل حضرت مولانا فقیر محمدؒ کے خلیفۂ ارشد حضرت مولانا اشرف سلیمانیؒ کے اصلاحی بیانات پر مشتمل ہے۔اور حقیقت یہ ہے کہ اصلاح باطن اور اس کے رموز کو بطریقہ احسن بیان کیا گیا ہے۔حضرت کے خلیفہ مجاز حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب نے بلاشبہ ایک گرانقدر سرمایہ سالکین کیلئے ترتیب دیا ہے۔جس میں ایک طرف تو معرفت وعرفان کے موتی ہیں تو دوسری طرف علمی نکات بھی ہیں اور وسعت مطالعہ اور برمحل اشعار سے یہ حسین مجموعہ اصلاحی بیانات جامع صفات کا حامل ایک نادر مجموعہ امت مسلمہ کیلئے پیغام حیات ہے۔حضرت مولانا اشرفؒ نے مختلف موضوعات پر حکیمانہ علمی اور دقیق بحث کی ہے۔خاص کر سوشلزم پر حضرت کا خطاب ایک گرانقدر سرمایہ ہے۔اللہ تعالیٰ حضرت ڈاکٹر فدا محمد مدظلہ العالی کی اس عظیم کاوش کو اپنے بارگاہ میں شرف قبولیت بخشے اور ہر خاص و عام کو اس سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرماوے۔آمین۔

☆☆☆☆☆☆☆

سلسلے کا آئندہ ماہانہ اجتماع ۷ افروری ۲۰۰۷ء بروز ہفتہ بعد از نمازِ عشاء ہوگا۔انشاء اللہ

ایک عجیب ایمان افروز واقعہ

(جہانِ دیدہ از مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہ، ص ۵۵ تا ۵۸)

حضرت خذیفہ بن یمانؓ اور حضرت عبداللہ بن جابرؓ کے مزارات کے ساتھ اسی صدی میں ایک عجیب وغریب اور ایمان افروز واقعہ رونما ہوا، جو آجکل بہت کم لوگوں کو معلوم ہے۔ یہ واقعہ میں نے پہلی بار جناب مولانا ظفر احمد صاحب انصاری مدظلہم سے سنا تھا۔ پھر بغداد میں وزارت اوقاف کے ڈائریکٹر تعلقات عامہ جناب خیراللہ حدیثی صاحب نے بھی اجمالاً اس کا ذکر کیا۔

یہ ۱۹۲۹ء کا واقعہ ہے، اس وقت عراق میں بادشاہت تھی۔ حضرت خذیفہ بن یمان اور حضرت عبد اللہ بن جابر رضی اللہ عنہما کی قبریں اس وقت یہاں (جامع مسجد سلمانؓ کے احاطے میں) نہیں تھیں، بلکہ یہاں سے کافی فاصلے پر دریائے دجلہ اور مسجد سلمان کے درمیان کسی جگہ واقع تھیں۔

۱۹۲۹ء میں بادشاہ وقت نے خواب میں دیکھا کہ حضرت خذیفہ بن یمانؓ اور حضرت عبداللہ بن جابرؓ اس سے فرما رہے ہیں کہ ہماری قبروں میں پانی آرہا ہے، اس کا مناسب انتظام کرو۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ دریائے دجلہ اور قبروں کے درمیان کسی جگہ گہری کھدائی کر کے دیکھا جائے کہ دجلہ کا پانی اندرونی طور پر قبروں کی طرف رِس رہا ہے یا نہیں۔ کھدائی کی گئی لیکن پانی رِسنے کے کوئی آثار نظر نہیں آئے۔ چنانچہ بادشاہ نے اس بات کو ایک خواب سمجھ کر نظر انداز کر دیا۔

لیکن اس کے بعد پھر...... غالباً ایک سے زیادہ مرتبہ...... وہی خواب دکھائی دیا، جس سے بادشاہ کو بڑی تشویش ہوئی، اور اس نے علماء کو جمع کر کے ان کے سامنے یہ واقعہ بیان کیا۔ ایسا یاد پڑتا ہے کہ اس وقت عراق کے کسی عالم نے بھی بیان کیا کہ انہوں نے بھی بعینہ یہی خواب دیکھا ہے۔ اس وقت مشورے اور بحث و تمحیص کے بعد یہ رائے قرار پائی کہ دونوں بزرگوں کی قبور مبارک کو کھول کر دیکھا جائے، اور اگر پانی وغیرہ آرہا ہو تو ان کے جسموں کو منتقل کیا جائے۔ اس وقت کے علماء نے بھی اس رائے سے اتفاق کر لیا۔

چونکہ قرون اولیٰ کے دو عظیم بزرگوں اور صحابۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبروں کو کھولنے کا یہ واقعہ تاریخ میں پہلا واقعہ تھا، اس لیے حکومت عراق نے اس کا بڑا زبردست اہتمام کیا، اس کے لیے ایک تاریخ مقرر کی تاکہ لوگ اس عمل میں شریک ہوسکیں۔ اتفاق سے وہ تاریخ ایّام حج کے قریب تھی، جب اس ارادے کی

اطلاع حجاز پہنچی تو وہاں حج پر آئے ہوئے لوگوں نے حکومت عراق سے درخواست کی کہ اس تاریخ کو قدرے مؤخر کر دیا جائے، تاکہ حج سے فارغ ہو کر جو لوگ عراق آنا چاہیں وہ آسکیں، چنانچہ حکومت عراق نے حج کے بعد کی ایک تاریخ مقرر کر دی۔

کہا جاتا ہے کہ مقررہ تاریخ پر نہ صرف اندرونِ عراق بلکہ دوسرے ملکوں سے بھی خلقت کا اس قدر اژدھام ہوا کہ حکومت نے سب کو یہ عمل دکھانے کے لیے بڑی بڑی اسکرینیں دور تک فِٹ کیں، تاکہ جو لوگ براہ راست قبروں کے پاس یہ عمل نہ دیکھ سکیں وہ ان اسکرینوں پر اس کا عکس دیکھ لیں۔

اس طرح یہ مبارک قبریں کھولی گئیں، اور ہزار ہا افراد کے سمندر نے یہ حیرت انگیز منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ تقریباً تیرہ صدیاں گزرنے کے باوجود دونوں بزرگوں کی نعش ہائے مبارک صحیح و سالم اور تر و تازہ تھیں۔ بلکہ ایک غیر مسلم ماہر امراض چشم وہاں موجود تھا۔ اس نے نعشِ مبارک کو دیکھ کر بتایا کہ ان کی آنکھوں میں ابھی تک وہ چمک موجود ہے جو کسی مردے کی آنکھوں میں انتقال کے کچھ دیر بعد بھی موجود نہیں رہ سکتی، چنانچہ وہ شخص یہ منظر دیکھ کر مسلمان ہو گیا۔

نعش مبارک کو منتقل کرنے کے لیے پہلے سے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے قریب جگہ تیار کر لی گئی تھی، وہاں تک لے جانے کے لیے مبارک نعشوں کو جنازے پر رکھا گیا، اس میں لمبے لمبے بانس باندھے گئے، اور ہزار ہا افراد کو کندھا دینے کی سعادت نصیب ہوئی، اور اس طرح اب ان دونوں بزرگوں کی قبریں موجودہ جگہ پر بنی ہیں۔

حضرت مولانا ظفر احمد انصاری مدظلہم کا بیان ہے کہ ۱۹۲۹ء کا یہ واقعہ مجھے یاد ہے، اس زمانے میں اخبارات کے اندر اس کا بڑا چرچا ہوا تھا، اور اس وقت ہندوستان سے ایک ادبی گھرانے کا ایک جوڑا عراق گیا ہوا تھا۔ ان دونوں میاں بیوی نے یہ واقعہ بچشم خود دیکھا، اور غالباً بیوی نے اپنے اس سفر کی روداد اپنے ایک سفرنامے میں تحریر کی جو کتابی شکل میں شائع ہوا، اور اس کی ایک کاپی حضرت

مولانا مدظلہم کے پاس محفوظ ہے۔

اس سفرنامے میں یہ بھی مذکور ہے کہ اس وقت کسی غیر ملکی فرم کے ذریعے اس پورے عمل کی عکس بندی بھی کی گئی تھی، اور بہت سے غیر مسلم بھی یہ واقعہ خاص طور پر دیکھنے آئے تھے، وہ اس اثر انگیز منظر سے نہ صرف بہت متاثر ہوئے، بلکہ بہت سے لوگوں نے اس منظر کو دیکھ کر اسلام قبول کیا۔ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ اور اپنے دین کی حقانیت کے ایسے معجزے کبھی کبھی دکھلاتے ہیں۔

سَنُرِيهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ط (حم السجدہ: ۵۳)

ترجمہ: ہم ان کو آفاق میں بھی اور خود ان کے وجود میں بھی اپنی نشانیاں دکھائیں گے، تاکہ ان پر یہ بات واضح ہوجائے کہ یہی (دین) حق ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اگر عبداللہ بن جابرؓ حضرت جابرؓ ہی کے صاحبزادے ہیں تو یہ عجیب وغریب اتفاق ہے کہ حضرت معاویہؓ کے زمانے میں ان کے دادا کے ساتھ بھی بعینہٖ اسی طرح کا واقعہ پیش آچکا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرت جابرؓ کے والد عبداللہ رضی اللہ عنہ غزوۂ احد کے سب سے پہلے شہید تھے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حضرت عمرو بن جموحؓ کے ساتھ ایک ہی قبر میں دفن فرمایا تھا، اس وقت مسلمانوں کی تنگدستی کا یہ عالم تھا کہ شہداء کے لیے کفن تک میسر نہ تھے، اس لیے حضرت عبد اللہ ؓ کو ایک چادر میں کفن دیا گیا جس میں چہرہ تو چھپ گیا لیکن پاؤں کھلے رہے جن پر گھاس ڈالی گئی۔ اتفاق سے یہ قبر نشیب میں واقع تھی۔ چالیس سال بعد حضرت معاویہؓ کے زمانے میں یہاں سیلاب آگیا اور وہاں سے ایک نہر بھی نکالنی تھی۔ اس موقع پر قبر کو حضرت جابرؓ کی موجودگی میں کھولا گیا تو دونوں بزرگوں کے اجسام بالکل صحیح وسالم اور تروتازہ تھے۔ بلکہ ایک روایت یہ ہے کہ ان کے چہرے پر جو زخم تھا ان کا ہاتھ اس زخم پر رکھا ہوا تھا۔ لوگوں نے ہاتھ وہاں سے ہٹایا تو تازہ خون بہنے لگا۔ پھر ہاتھ دوبارہ رکھا تو خون بند ہوگیا۔ (انجینئر ثاقب علی خان)

اندازِ محبت

(انتخاب از: ماہنامہ التبلیغ)

حضرت نواب محمد عشرت علی خان قیصر صاحب دامت برکاتہم اپنے پھوپھا حضرت نواب جمشید علی خان صاحب مرحوم کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جب حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوگیا تو تھانہ بھون میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی چھوٹی اہلیہ محترمہ (چھوٹی پیرانی صاحبہ) مختلف حضرات کو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے کچھ تبرکات وملبوسات وغیرہ تقسیم فرمارہی تھیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ٹوپیاں، رومال، شلوکے (نیم آستین والے بنیان) عمامے وغیرہ خلفاء اور خُدام حضرات نے اپنی پسند کے مطابق وصول کیئے۔ اندر گھر ہی سے حضرت پیرانی صاحبہ نے باہر موجود حضرت نواب جمشید علی خان صاحب مرحوم سے معلوم کرایا کہ آپ نے کچھ طلب نہیں فرمایا، کیا آپ بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی کوئی چیز لینا چاہتے ہیں؟ حضرت نواب جمشید علی خان صاحب مرحوم نے عرض کیا کہ مجھے تو ایسی کوئی قیمتی چیز نہیں چاہیے، البتہ اگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی کوئی اُونی پُرانی استعمال شدہ جُرابیں ہوں تو وہ عنایت کردی جائیں، اس پر نواب صاحب مرحوم کو اُونی پُرانی جُرابیں دے دی گئیں۔

حضرت نواب جمشید علی خان صاحب مرحوم یہ جُرابیں حاصل کر کے اپنے گھر لے گئے اور اپنے گھر والوں سے ان کو اُدھڑوا کران کی ٹوپی بنوائی، جس کو پہن کر تہجد کی نماز پڑھا کرتے تھے۔

یہ حضرت نواب جمشید علی خان صاحب مرحوم کی اپنی شیخ سے محبت وعقیدت اور عظمت کا عالم تھا کہ اپنے شیخ کے پَیر مبارک میں استعمال شدہ جُرابوں کو اتنا مبارک سمجھا کہ ان کو تہجد کی نماز میں اپنے سر کا تاج بنایا۔

ع خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

(محترم ظہور الٰہی فاروقی، پشاور)

اکابر علمائے دیوبند کی تواضع (نویں قسط)

(مفتی فدا محمد صاحب، دارالعلوم جامعہ رحمانیہ مینئی، صوابی)

حضرت امام ربانی رشید احمد گنگوہیؒ کی تواضع

(پیدائش ۱۸۲۹ء، وفات ۱۹۰۵ء)

حضرت مولانا گنگوہی نور اللہ مرقدہ کے متعلق مولانا عاشق الٰہیؒ لکھتے ہیں کہ سچی تواضع اور انکساری جتنی امام ربّانیؒ میں دیکھی دوسری جگہ کم نظر سے گزرے گی۔ حقیقت میں آپ اپنے کو سب سے کم تر سمجھتے تھے، بحیثیتِ تبلیغ جو خدمت عالیہ آپ کے سپرد کی گئی تھی یعنی ہدایت ورہبری اس کو آپ انجام دیتے، بیعت فرماتے، ذکر وشغل بتلاتے، نفس کے قبائح ومفاسد بیان فرماتے اور معالجہ فرماتے تھے۔ مگر بایں ہمہ اس کا کبھی وسوسہ بھی آپ کے قلب پر نہیں گزرتا تھا کہ میں عالم ہوں اور یہ جاہل ہیں، میں پیر ہوں اور یہ مرید ہیں، میں مطلوب ہوں اور یہ طالب ہیں، مجھے ان پر فوقیت ہے، کبھی کسی نے نہ سنا ہوگا کہ آپ نے اپنے خدّام کو خادم یا متوسل یا منتسب کے نام سے یاد فرمایا ہو، ہمیشہ (اپنے لوگوں) سے تعبیر فرمایا کرتے تھے اور دعا میں یاد رکھنے کی ضرورت اپنے لیے طالبین سے بھی زیادہ ظاہر فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ تین شخص بیعت کے لیے حاضر آستانہ ہوئے، آپ نے ان کو بیعت فرمایا اور یوں ارشاد فرمایا کہ تم میرے لیے دعا کرو میں تمہارے لیے دعا کروں بعض مرید بھی پیر کو تیرا لیتا ہے۔ (تذکرۃ الرشید)

دوسری جگہ لکھتے ہیں اپنے متعلق تواضع اور انکساری کا یہ عالم تھا کہ کبھی کسی تقریر سے اپنی خوبی کا کچھ بھی اثر ہوا تو معاً تردید فرمایا کرتے تھے اور اپنے سے اس انتساب کی نفی فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت شیخ عبدالقدوسؒ کے خرقے کا تذکرہ فرما رہے تھے کہ پچاس برس سے حضرت کے بدن پر رہا ہے اُس ضمن میں فرمایا اسی حجرہ میں حضرت شیخ (عبدالقدوس گنگوہیؒ) اور شیخ جلال تھانیسریؒ رہا کرتے تھے بیچ میں دیوار حائل تھی، سو کہاں تو فقر کا یہ حال تھا اور اب اس حجرے میں دنیا بھری پڑی ہے۔

حضرت حکیم الامتؒ لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے مولانا گنگوہیؒ کی خدمت میں کچھ

حالات لکھے تو مولاناؒ نے فرمایا بھائی ہمیں تو ابھی تک یہ حالات نصیب نہیں ہوئے۔کیا ٹھکانہ ہے مولانا کی تواضع کا پھر فرمایا کہ ایک مرتبہ مولانا گنگوہیؒ نے قسم کھا کر فرمایا کہ مجھ میں کوئی کمال نہیں ہے، بعض مخلص لوگوں کو اس سے شک ہوا کہ مولانا میں کمال کا ہونا تو ظاہر ہے تو اس سے مولانا کا جھوٹ بولنا لازم ہوا، پھر حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے مولانا کے قول کی تفسیر میں فرمایا کہ بزرگوں کو آئندہ کمالات کی طلب میں موجودہ کمالات پر نظر نہیں ہوتی، پس مولانا صاحب اپنے کمالاتِ موجودہ کی کمالاتِ آئندہ کے سامنے نفی خیال فرماتے تھے۔(آپ بیتی)

حضرت گنگوہیؒ ایک مرتبہ حدیث کا درس دے رہے تھے کہ بارش آگئی۔سب طلباء کتابیں لے لے کر اندر کو بھاگے مگر مولانا سب طلباء کی جوتیوں کو جمع کر رہے تھے کہ اٹھا کر لے چلیں۔لوگوں نے جب یہ حالت دیکھی تو کٹ گئے۔ (ارواح ثلاثہ)

حضرت گنگوہیؒ ایک خط میں مولانا روشن علی خان کو لکھتے ہیں کہ اپنا جو حال ہے لکھ نہیں سکتا محض بیگانہ ہوں چند باتیں یاد ہیں اور بس۔ایک اور خط میں مولانا موصوف کو لکھتے ہیں کہ حالات آپ لوگوں کے دریافت ہو کر خود شرمندہ و محجوب ہوا کہ آپ کو بندہ سے یہ حسن عقیدت ہے اور خود ہیچ در ہیچ ہوں کاش آپ کے حسن عقیدت کی وجہ سے مغفور ہو جاؤں۔(آپ بیتی)

سید الطائفہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے جب رد بدعات پر کچھ رسالے لکھے تو اہل بدعت کی طرف سے سب وشتم کی بوچھاڑ ہوئی، بعض مشہور اہل بدعت کی طرف سے بہت سے رسالے ان کے خلاف سب وشتم سے بھرے ہوئے شائع ہوتے رہے۔حضرت گنگوہیؒ کی بینائی اس وقت نہیں رہی تھی مولانا یحییٰ کاندھلویؒ حضرت کے خادم خاص اور معتمد تھے آنے والی ڈاک پڑھ کر سناتے تھے اور پھر جواب لکھنے کی خدمت انہیں کے ذمہ تھی، ان میں وہ رسالے بھی ہوتے تھے جو ان حضرات کی طرف سے آتے تھے۔کچھ دن ایسے گزرے کہ مولانا یحییٰ صاحب نے کوئی رسالہ نہیں سنایا تو حضرت گنگوہیؒ نے پوچھا کہ مولوی یحییٰ صاحب! کیا ہمارے دوست نے ہمیں یاد کرنا چھوڑ دیا ہے؟ بہت دنوں سے ان کا رسالہ نہیں آیا۔مولوی یحییٰ

صاحب نے عرض کیا کہ رسالے تو کئی آئے مگر وہ مجھ سے پڑھے نہیں جاتے، حضرت نے فرمایا کیوں؟ عرض کیا ان میں گالیاں بھری ہیں، آپ نے پہلے تو فرمایا ارے میاں دور کی گالی بھی کہیں لگا کرتی ہے؟ پھر فرمایا وہ ضرور سناؤ ہم تو اسی نیت سے سنتے ہیں کہ ان کی کوئی قابل قبول بات ہو تو قبول کریں اگر ہماری کسی غلطی پر تنبیہ کی گئی ہو تو اپنی اصلاح کریں۔

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کی تواضع

تاریخ وفات ۱۹۲۷ء

حضرت مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ آپ بیتی میں رقمطراز ہیں: حضرت اقدس سہارنپوری نور اللہ مرقدہ کے تواضع کے قصے تو حضرت قدس سرہ کی خدمت میں سترہ سالہ قیام میں نہ معلوم کتنے دیکھے، اس لیے کہ رجب ۱۳۲۸ھ میں سہارنپور حاضری ہوئی تھی اور ذیقعدہ ۱۳۴۵ھ میں مدینہ پاک میں حضرت نور اللہ مرقدہ سے مفارقت ہوئی، ہر ہر موقع پر تواضع و انکساری نشست و برخاست میں خوب ہی دیکھنے کے موقعے ملے، اسفار میں بھی بہت دفعہ ہمرکابی رہی۔

خدام کے ساتھ سامان کے اٹھانے میں ذرا بھی حضرت کو تامل نہ ہوتا تھا، ریل پر اترنے میں چڑھنے میں کچھ سامان حضرت نور اللہ مرقدہ بے تکلف اٹھا لیا کرتے تھے، خدام عرض کرتے کہ ہمیں دیدیجئے، فرماتے کہ وہ بڑا سامان رکھا ہے اٹھا لو۔ دعوتوں میں بھی حضرت کے ساتھ اکثر شرکت ہوئی کبھی امتیازی جگہ پر داعی کی درخواست کے بغیر نہ بیٹھتے، میں نے دیکھا کیفما اتفق تشریف رکھنے کا ارادہ کرتے مگر داعی کی درخواست پر امتیازی جگہ بیٹھنے سے بھی انکار نہ کرتے تھے۔

ایک مسئلہ میں حضرت حکیم الامۃ نور اللہ مرقدہ اور بعض علماء کا اختلاف ہوا تو حضرت حکیم الامت نے حضرت سہارنپوری نور اللہ مرقدہ کو حکم بنانے پر فریق ثانی کو راضی کرلیا جس

کی تفصیل خوانِ خلیل کے جام نمبرے میں موجود ہے۔ اِس پر حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں کہ اِس محاکمہ کی تمہید میں مولانا رحمۃ اللہ کی عبارت قابل دید ہے، وھو ھذہ ''بندہ ناچیز باعتبار اپنے علم وفہم کے اس قابل نہیں کہ علماء اعلام کے اختلاف کا فیصلہ کر سکے مگر ہاں امتثالاً للامر الشریف اس مسئلہ میں جو کچھ خیال میں آیا عرض کرتا ہے۔''

حضرت حکیم الامت نے اس کے بعد تحریر فرمایا کہ تواضع اور اظہار حق میں اس طرح جمع کرنا جس درجہ کا کمال ہے ظاہر ہے، خوان خلیل (ص ۸) میں حضرت حکیم الامت تحریر فرماتے ہیں کہ مولاناؒ میں حضرات سلف کی سی تواضع تھی کہ مسائل واشکالات علمیہ میں اپنے چھوٹوں سے بھی مشورہ فرماتے اور چھوٹوں کے معروضات کو شرح صدر کے بعد قبول فرما لیتے تھے۔ اِس کے بعد حضرت سہارنپوری کا اشکال اشراف نفس کے متعلق ذکر کرنے کے بعد حضرت حکیم الامت تحریر فرماتے ہیں کہاس واقعہ میں مولانا کے چند کمالات ثابت ہوتے ہیں ۔ایک تواضع جس کے سلسلہ میں یہ واقعہ ذکر کیا گیا ہے، دوسرے دقیق تقویٰ کہ اشراف کے احتمال بعید تک نظر پہنچی اور اس پر عمل کا اہتمام ہوا، تیسرے اتباع سنت جیسا کہ ظاہر ہے، چوتھے اپنے معاملہ میں اپنے نفس کو متہم سمجھا کہ اپنی رائے پر وثوق نہیں فرمایا ورنہ جس کی نظر اتنی دقیق ہو کیا اِس فیصلہ تک وہ نظر نہیں پہنچ سکتی تھی ۔خوانِ خلیل میں اور بھی متعدد قصے حضرت سہارنپوری نور اللہ مرقدہ کے ذکر کیے گئے ہیں۔

شیخ پورہ کی دعوت کا ایک قصہ جس میں یہ ناکارہ خود بھی شریک تھا اور حضرت حکیم الامت تھانوی نور اللہ مرقدہ بھی شریک تھے اس کو حضرت نے تحریر فرمایا ہے کہ ایک بار سہارنپور میں بڑے جلسہ (سالانہ جلسہ مظاہر العلوم) میں جانا ہوا۔ جلسہ سے اگلے روز شیخ پورہ والوں نے حضرت مولانا سہارنپوری اور دیگر بعض مہمانوں کو مدعو کر دیا، چلتے وقت سہارنپور کے ایک تاجرِ چاول نے اگلے روز صبح کی دعوت کر دی، مولانا نے دعوت منظور فرمالی اور شیخ پورہ چلے

گئے۔شب کو وہاں رہے۔صبح کے وقت چھاجوں پانی پڑ رہا تھا مگر چونکہ مولانا نے وعدہ کرلیا تھا اس وجہ سے اسی حالت میں واپسی ہوئی، جب سہارنپور اترے میں بھی (حضرت حکیم الامت) ہمراہ تھا، راستہ میں وہ صاحب جو دعوت کر گئے تھے سڑک پر جاتے ہوئے ملے، مولانا نے پکار کر بلایا اور اپنے آنے کی اطلاع کی تو آپ کہتے ہیں حضرت دعوت کا کچھ انتظام نہیں ہوا، مجھ کو واپسی کی امید نہ تھی۔مولانا نے فرمایا اچھا بھائی پھر سہی۔اس نے کل صبح کا وقت معین کیا اور تبسم سے فرمایا کہ ظالم نے شام کا وقت بھی تو نہ کہا، ہمارے حضرت (حکیم الامت) نے فرمایا اس گفتگو سے میرے غصہ کی کچھ انتہا نہ تھی، مولانا چونکہ بزرگ تھے ان کے سامنے کچھ نہ کہہ سکا، مجھے بھی صبح دعوت میں شریک ہونے کا حکم ملا، میں نے عرض کیا حضرت! مجھے تو صبح صبح بھوک نہیں لگتی ہے، فرمایا اگر بھوک ہو کھا لینا ورنہ مجلس ہی میں بیٹھ جانا۔ میں نے عرض کیا بہت اچھا۔صبح وقت پر پھر گئے مگر غصے میں بھرا ہوا تھا کہ کوٹھے کے اوپر کھانا کھلایا۔ میں عذر کر کے مولانا سے رخصت ہو گیا اور اس دعوت کنندہ سے مولانا کے سامنے تو کہنے کا موقع نہ ملا اس لیے نیچے بلایا اور اچھی طرح سے اس کے کان کھولے اور کہا کہ بزرگوں کو بلا کر ایسی ہی تکلیف اور اذیت دیا کرتے ہیں! تجھے تو چاہیئے تھا کہ اگر مولانا شیخ پورہ سے تشریف نہ بھی لاتے تب بھی انتظام کرتا۔اُس نے آئندہ کے لیے توبہ کی۔(ارواح ثلاثہ)

بندہ زکریا کے خیال میں اس قصہ میں حضرت سہارنپوریؒ سے زیادہ حضرت حکیم الامت کی تواضع ہے کہ غصہ اور تکدّر کے باوجود حضرت سہارنپوریؒ کے کہنے پر دعوت بھی قبول کرلی اور حضرت کے سامنے کچھ ڈانٹ بھی نہیں پلائی، الگ لے جاکر ڈانٹا۔(آپ بیتی)

تذکرۃ الخلیل میں حضرت سہارنپوری کا معمول لکھا ہے کہ اعلیٰ حضرت گنگوہیؒ کی حیات میں اوّل تو کسی کو بیعت نہیں فرماتے تھے اور اگر کسی کو شدید اصرار پر بیعت کرتے بھی تو یہ الفاظ کہلواتے تھے کہو بیعت کرتا ہوں میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب سے خلیل احمد کے

ہاتھ پر۔(تذکرۃ الخلیل)

بذل المجہود کی تالیف میں جب بھی کوئی اہلِ علم میں سے آتا اور ایک دو دن قیام کرتا تو حضرت بڑے اہتمام سے بذل کا مسودہ اس کے حوالہ فرماتے کہ غور سے دیکھیں اور کوئی چیز قابل اصلاح ہو تو ضرور متنبہ فرمادیں۔ اور حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحبؒ جو بعد میں صدر مدرس مظاہر العلوم بھی ہو گئے تھے ان کے ذمہ تو مستقل نظر ثانی تھی اور مولانا مرحوم بہت ہی اہتمام سے نظر ثانی کیا کرتے تھے اور جہاں جہاں مولانا نشانات لگاتے حضرت ان کو دوبارہ بہت غور سے ملاحظہ فرماتے اور اصلاح کی ضرورت سمجھتے تو اصلاح یا توضیح فرماتے۔ تذکرۃ الخلیل میں ایک قصہ لکھا ہے جو خود میرے بھی علم میں ہے کہ آپ کو اپنے کسی کمال پر ناز نہ تھا اور نہ ضد تھی۔ ایک بار آپ تھانہ بھون گئے اور فساد الصلوٰۃ بمحاذاۃ النساء کے مسئلہ میں مولوی احمد حسن سنبھلی کا حضرت سے مکالمہ ہوا، حضرت تو حنفیہ کے قول کو قوی فرما رہے تھے اور مولوی احمد حسن ضعیف۔ حضرت نے فرمایا پہلے میری تقریر سن لو پھر جو کہنا ہے وہ کہنا، مگر مولوی صاحب نے درمیان میں آپ کا کلام قطع کرنا شروع کر دیا۔ حضرت کو تکدّر رہوا اور لہجہ میں تیزی آگئی ، مولوی احمد حسن بھی تیزی پر آگئے تب آپ نے تحمل کیا اور خاموش ہو گئے۔ جب آپ ریل پر آنے لگے تو آپ نے خود ابتداء بالسلام کی اور مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھا کر فرمایا، اگر مجھ سے کچھ گستاخی آپ کی شان میں ہوگئی ہو تو معاف فرما دینا۔ اس بندہ خدا نے اس پر بھی کوئی معذرت نہ کی۔ بعد میں مولوی صاحب موصوف کی تھانہ بھون سے بھی علیحدگی ہوئی اور حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ کو بھی بہت تکدّر رہوا کہ ان کو اپنے علوم پر بہت ہی گھمنڈ پیدا ہو گیا تھا۔ (آپ بیتی۔ ج ۲)

(جاری ہے)

☆☆☆☆☆☆☆

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ٥

یَا مُصَوِّرُ یَا مُصَوِّرُ یَا مُصَوِّرُ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِیْنٍ ٥ ثُمَّ

جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِیْ قَرَارٍ مَّكِیْنٍ o ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ق ثُمَّ اَنْشَئْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ o رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصَّالِحِیْنَ o رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّ اَنْتَ خَیْرُ الْوَارِثِیْن o رَبِّ هَبْ لِیْ مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّیَةً طَیِّبَةً ط اِنَّكَ سَمِیْعُ الدُّعَاءِ ط یَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنٰثًا وَّیَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّكُوْرًا ط اِلٰهِی بَحُرْمَتِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ وَ اَهْلِ بَیْتِ الْعِظَّام.

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم o

یَا مُصَوِّرُ یَا مُصَوِّرُ یَا مُصَوِّرُو لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِیْنٍ o ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِیْ قَرَارٍ مَّكِیْنٍ o ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ق ثُمَّ اَنْشَئْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْن o رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصَّالِحِیْن o رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّ اَنْتَ خَیْرُ الْوَارِثِیْن o رَبِّ هَبْ لِیْ مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّیَةً طَیِّبَةً ط اِنَّكَ سَمِیْعُ الدُّعَاءِ ط یَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنٰثًا وَّیَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّكُوْرًا ط اِلٰهِی بَحُرْمَتِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ وَ اَهْلِ بَیْتِ الْعِظَّام.